۹ سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مختلف منثور اصناف ادب پڑھ کر مصنفین کے طرز تحریر کی شناخت کر سکیں۔
- نظم / نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کر سکیں۔
- دو نثر پاروں کا موازنہ کر سکیں اور مصنف کا انداز بیان سمجھ کر تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے استحسانی اور تنقیدی جائزہ لے سکیں۔

لکھنا
- کسی بھی رسمی / غیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تلخیص کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- الفاظ معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	اِضطراب	بَر سَبیلِ تذکرہ	تقطیع	جَل تَرنگ	خُوابیدہ
	ظُلمانیت	لَطیف	لَغویات	لَٹھ	نابکار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

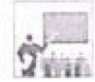

- طلبہ کو اردو زبان و ادب میں طنز و مزاح (نظم و نثر) کی روایت اور اہمیت سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ مزاح نگاری میں اپنے مقصد کے تخلیقی اظہار کا کون کون سا انداز، تکنیک اور اسلوب بہ رُوئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پطرس بخاری، ابن انشا، شوکت تھانوی اور مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں کے منتخب اقتباسات طلبہ کو ذاتی مطالعے کے لیے دیں تاکہ وہ مختلف مزاح نگاروں کے طرزِ تحریر کو شناخت کرنے کے قابل ہو سکیں۔

پطرس بخاری (۱۸۹۸ء۔۱۹۵۸ء)

احمد شاہ بخاری ۱۸۹۸ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید اسد اللہ شاہ تھا۔ ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی اور اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اعزازی نمبروں کے ساتھ ایم۔ اے پاس کیا۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد آپ انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونی ورسٹی سے انگریزی ادب میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں جب آل انڈیا ریڈیو کا محکمہ قائم ہوا تو بخاری صاحب کی خدمات مستعار لی گئیں اور وہ سات برس تک بہ طور ڈائریکٹر ریڈیو سے منسلک رہے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں اقوام متحدہ کے شعبہ اطلاعات میں ڈپٹی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ۵۔ دسمبر ۱۹۵۸ء کی صبح کو نیویارک میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے

آپ کا اصل نام سید احمد شاہ بخاری تھا، لیکن اپنے قلمی نام پطرس بخاری سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے مضامین کا مجموعہ "پطرس کے مضامین" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ پطرس نے خالص مزاح تخلیق کیا۔ ظرافت، مزاح، طنزِ لطیف، قولِ محال، اور پیروڈی کے علاوہ مزاح کے دیگر حربوں کو بھی کمال مہارت سے برتا ہے۔ ان کے یہاں لفظی کاری گری؛

مزاحیہ صورتِ واقعہ اور مزاحیہ کردار دونوں کے حوالے سے برتی گئی ہے۔ پطرس قادر الکلام انشاپرداز تھے۔ پطرس کے یہاں زندگی کا گہرا مطالعہ اور وسیع مشاہدہ ملتا ہے۔ وہ زندگی کے جن رویوں پر ہنستے ہیں اور جن طبقوں کو نشانہ تمسخر بناتے ہیں۔ اُس میں اپنی ذات کو ضرور شامل کرتے ہیں یہ مزاح نگاری کا انتہائی اثر انگیز حربہ ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- طنز و مزاح سے کیا مراد ہے؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟
- پطرس بخاری کی تحریریں کس قسم کی ہیں؟

گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہم چاری سے برسبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ "لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں؛ ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجیے۔"

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے، نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے، ابھی سے کیا فکر؟ جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے۔ لیکن یہ گولہ باری لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی اور کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔ صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا مگر اب بھی دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ تک جاگ اٹھی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں۔ "اچھا! اچھا! تھینک یو، جاگ گیا ہوں، بہت اچھا! نوازش ہے۔" آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا! کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں "قُم" کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جایا کرتے تھے؟؟ توپیں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے۔ پیش تر اس کے کہ باہر بستر سے نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے۔ اِس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھما۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے یہ سورج آخر کس طرح نکلتا ہے لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبحِ کاذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں اُن میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی تو فکر سا لگ گیا کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی۔ لالہ جی! لالہ جی!

جواب آیا "ہوں"

میں نے کہا: "آج یہ کیا بات ہے کچھ اندھیرا سا ہے؟"

کہنے لگے: "تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے!"

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہو گئے۔ چونک کر پوچھا: "کیا کہا تم نے، تین بجے ہیں؟"

کہنے لگے "تین تو نہیں کچھ سات ساڑھے سات، منٹ اوپر تین ہیں۔"

میں نے کہا: "ارے کم بخت، خدائی فوج دار، بدتمیز کہیں کے۔ میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا۔ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے۔ ہمیں تُو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے۔ تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے۔ ابے احمق کہیں کے! تین بجے اٹھ کر ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں کوئی مذاق ہے، لاحول ولا قوۃ"

دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد و شدد کو خیر باد کہہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا کوئی ہم نے ٹھیکا لے رکھا ہے۔ ہمیں اپنے کام

سے غرض، لیمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح اپنے دس بجے اُٹھے۔ بارہ بجے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔ شام کو واپس ہوسٹل میں وارد ہوئے۔ جوشِ شباب تو ہے ہی، اُس پر شام کا رُومان انگیز وقت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی۔ طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی ''مسٹر!''

ہم اُس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا یہ آپ گا رہے ہیں؟'' (زور آپ ''پر)

میں نے کہا اجی میں کس لائق ہوں لیکن خیر فرمایئے؟'' بولے ذرا۔۔۔وہ میں۔۔۔میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔''

بس صاحب! ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً مر گئی۔ دل نے کہا او نابکار انسان دیکھ! پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔'' صاحب! خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ خدایا! ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔''

آنسو پونچھ کر اور دل مضبوط کر کے میز کے سامنے آبیٹھے۔ دانت بھینچ لیے، نکٹائی کھول دی، آستینیں چڑھالیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سرخ، سبز، زرد سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب اِن میں سے کون سی پڑھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعے کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علاحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب کے صفحوں کی تعداد کو دِنوں کی تعداد پر تقسیم کیا۔ ساڑھے پانچ سو جواب آیا۔ لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتائے کہ صبح تین بجے ہی کیوں نہ اٹھ بیٹھے لیکن کم خوابی کے طبّی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو ملامت کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے اُٹھنا تو لغو بات ہے۔ البتہ پانچ، چھے، سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خُرما و ہم ثواب۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہو تو جلدی ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر ہی سے کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہوگئے۔ چلتے چلتے خیال آیا کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں! یوں ہماری اپنی قوتِ ارادی کافی زبردست ہے۔ جب چاہیں اُٹھ سکتے ہیں لیکن پھر بھی کیا ہرج ہے؟

ڈرتے ڈرتے آواز دی۔ ''لالہ جی!!!''

انھوں نے پتھر کھینچ مارا۔ ''بس''۔

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ مُتلا کے درخواست کی کہ لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل ذرا مجھے چھے بجے یعنی جس وقت چھے بجیں۔''

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا: جب چھے بج چکیں تو، سُنا آپ نے؟''

چپ!!!!

لالہ جی!''

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔ سن لیا۔ سن لیا۔ چھے بجے جگادوں گا۔ تھری گاما پلس فور، ایلفا پلس"

ہم نے کہا: ب۔ ب۔ ب۔ بہت اچھا۔ یہ بات ہے"

تو یہ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھے بجے انھوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہولے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہ ہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اِسے اِس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کر دی۔

اِس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بہ ہر حال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے پیش تر دیباچ کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی۔ پھر کا نہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا، شاید سر اس میں لپیٹ دیا، یا شاید کھانسا کہ خدا جانے خراٹا لیا۔ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیشتر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں۔۔۔ ہمارا خیال ہے، ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہ ہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھے دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا مگر لالہ جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی صبح کے وقت دماغ کیسا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے۔ یعنی اگر صبح کی بہ جائے شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔"

لالہ جی نے ہماری اِس جادو بیانی کی داد یوں دی کہ آپ پوچھنے لگے "تو میں آپ کو چھے بجے جگا دیا کروں؟"

میں نے کہا ہاں ہاں۔ واہ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے شک۔"

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعے کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں۔ کرسی کو چارپائی کے قریب سَرکا لیا اور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا۔ کنٹوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے۔ دیا سلائی کو تکیے کے نیچے ٹٹولا۔ تین دفعہ آیۃ الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا: دل بھیا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔" دل نے کہا: اور کیا تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے تھے۔" ہم نے کہا: سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو اِن کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اِس وقت اِس لاہور شہر میں ہزاروں کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ بھئی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں۔" ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔۔۔ خوب! تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں!! بس ذرا اِس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے۔ ہم بھی کیا روز بہ روز الحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ نہ خدا کا ڈر، نہ رسول ﷺ کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان

پاس کرلیں گے۔ اکبر بے چارہ یہی کہتا کہتا مر گیا لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی (لحاف کانوں پر سرک آیا) تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں۔۔۔ بہت ہی پہلے۔۔۔۔ یعنی کالج شروع ہونے سے بھی چار گھنٹے پہلے۔۔۔۔ کیا بات ہے!!! خداوندانِ کالج بھی کس قدر سُست ہیں! ہر ایک مستعد انسان کو چھے بجے تک قطعی جاگ اُٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کالج سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے۔۔۔ (لحاف سر پر)۔۔۔ بات یہ ہے کہ تہذیبِ جدید ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ عیش پسندی روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے۔ (آنکھیں بند) تو اب چھے بجے ہیں۔ تو گویا تین گھنٹے تو متواتر مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتاب پڑھیں؟ شیکسپیئر یا ورڈز ورتھ۔ میں جانوں، شیکسپیئر بہتر ہوگا۔ اس کی عظیم الشان تصانیف میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے؟" پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈز ورتھ پڑھیں۔ اس کے اوراق میں فطرت کا سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل اور دماغ نیچر کی خاموش دل آویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے۔ لیکن شیکسپیئر۔۔۔۔ ہیملٹ۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ ورڈز ورتھ۔۔۔۔ لیڈی میکبتھ۔۔۔۔ دیوانگی۔۔۔۔ سبزہ زار۔۔۔۔ بادِ بہاری۔۔۔۔ صید ہوس۔۔۔۔ کشمیر۔۔۔ میں آفت کا پر کالہ ہوں۔

یہ معما اب مابعد الطبیعات ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ پھر جو ہم نے لحاف سے سر باہر نکالا اور ورڈز ورتھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے۔ اس میں نامعلوم کیا بھید ہے؟

کالج ہال میں لالہ جی ملے۔ کہنے لگے: "مسٹر! صبح میں نے پھر آپ کو آواز دی۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔"

میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا: "اوہو! لالہ جی! یاد نہیں میں نے آپ کو گڈ مارننگ کہا تھا۔ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا۔"

بولے: "وہ تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔ کوئی سات بجے کے قریب میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی۔ آپ بولے ہی نہیں؟"

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا، گویا وہ پاگل ہو گئے ہیں اور پھر ذرا متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوری چڑھائے، غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس تعمق میں رہے۔ پھر یکا یک ایک محبوبانہ اور معشوقانہ انداز سے مسکرا کر کہا: "ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے!!۔ میں اس وقت۔۔۔ اے۔۔۔ اے نماز پڑھ رہا تھا۔"

لالہ جی مرعوب سے ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زہد و تقویٰ کی تسکینی میں سر نیچا کیے کمرے کی طرف چلے آئے۔

اب یہی ہمارا روزمرہ کا معمول ہو گیا ہے۔ جاگنا نمبر ایک چھے بجے۔ جاگنا نمبر دو۔ دس بجے۔ اس دوران میں لالہ جی آواز دیں تو نماز۔

(پطرس کے مضامین)

مشق

پڑھنا

۱۔ پطرس بخاری کی مزاح نگاری کی تکنیک، مقصد اور اسلوب کے حوالے سے درج ذیل عبارت غور سے پڑھیں اور دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

اسلوب کے لغوی معانی ہیں؛ طرز، طریقہ یا رنگ ڈھنگ ہیں۔ اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا طریقہ یا ادائے مطلب یا خیالات کے بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو کسی صنف نثر یا شعری کی موجودہ روایت میں مصنف یا شاعر کی انفرادیت کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ اسلوب کو مصنف/شاعر کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کا عکس بھی سمجھا جاتا ہے۔ فکر و خیال کو الفاظ کی صورت میں تحریر کی شکل دی جاتی ہے تو اسلوب جنم لیتا ہے جسے کسی تخلیق کار کا انفرادی طرزِ نگارش کہا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے لکھنے والوں سے منفرد و ممتاز ہو جاتا ہے۔

پطرس بخاری کو اپنے مزاحیہ مضامین کے مجموعے "پطرس کے مضامین" کی بہ دولت شہرت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر عثمان نے کہا کہ ان کی مزاحیہ تحریروں میں ہمیں خالص مزاح کی نہایت ہی نکھری ہوئی اور شستہ صورتیں ملتی ہیں ۔ یہ ایسے مزاح کی مثال ہے جو کسی طنز و تعریض اور تمسخر سے پاک نظر آتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ ہلکے پھلکے شگفتہ رنگ کے مضامین؛ کسی کا دل جلانے اور تحقیر کا احساس دلانے کا باعث نہیں بنتے بلکہ ان سے پھوٹنے والا مزاح اور ہنسی، زندگی کی ڈھیر ساری ناگواریوں کے خلاف ایک فطری مدافعت بنتا ہے۔ پطرس بخاری کے مزاحیہ اسلوب کی خصوصیات میں زبان و بیان کا شستہ اور شائستہ استعمال، افسانویت، انگریزی ادبیات اور اسلوب کے اثرات، تحریف نگاری، واقعاتی مزاح، محاورات کا برجستہ استعمال اور کردار نگاری وغیرہ نمایاں ہیں ۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے درست کہا کہ پطرس بخاری کا کام کھیل دکھانا ہے؛ لفظوں کا کھیل، فقروں کا کھیل، چست جملوں کا کھیل۔ وِٹ (WIT) کا کھیل کھیلتا ہے۔ موقعوں کا کھیل، ڈرامائی حالات کا کھیل؛ پطرس بخاری کا ہر مضمون یہی کھیل دکھاتا ہے۔

سوالات:

الف۔ اسلوب کی تعریف بتائیں۔

ب۔ پطرس بخاری کی تحریروں میں ہمیں کون سی صورتیں ملتی ہیں؟

ج۔ پطرس بخاری کا مزاح کس قسم کے مزاح کی مثال ہے؟

د۔ پطرس بخاری کے اسلوب کی خصوصیات کیا ہیں؟

ر۔ پطرس بخاری اپنی تحریروں میں کس قسم کے کھیل سے طنزیہ اور مزاحیہ کیفیات پیدا کرتے ہیں؟

۲۔ متن کو فہم کے ساتھ پڑھ کر بتائیں کہ پطرس بخاری نے اپنے مضمون میں ہوسٹلز میں رہائش پذیر طلبہ کی زندگی کے حقائق بیان کرنے میں کس حد تک کام یابی حاصل کی ہے؟

۳۔ درج ذیل عبارات پڑھ کر پطرس بخاری کے طرزِ تحریر کی شناخت کریں کہ انھوں نے کس طرح جملے بازی اور موقعے کی مناسبت سے اپنے مضامین میں طنز و مزاح پیدا کیا ہے۔

الف۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں لاہور کا حدود اربعہ بھی ہوا کرتا تھا لیکن طلبہ کی سہولت کے لیے میونسپلٹی نے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے اور روز بہ روز واقع تر ہو رہا ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ دس بیس سال کے اندر لاہور ایک صوبے کا نام ہوگا جس کا دارالخلافہ پنجاب ہوگا۔ یوں سمجھیے کہ لاہور ایک جسم ہے جس کے ہر حصے پر ورم نمودار ہو رہا ہے۔ لیکن ہر ورم موادِ فاسد سے بھرا ہوا ہے۔ گویا یہ توسیع ایک عارضہ ہے جو اس کے جسم کو لاحق ہے۔ (لاہور کا جغرافیہ)

ب۔ اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ اوپر کو اٹھ جاتا تھا اور میرا سر یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مار رہا ہے۔ پچھلے اور اگلے پہیے کو ملا کر چوں چوں پھٹ پھٹ، چوں چوں کی صدا نکل رہی تھی۔ جب اترائی پر سائیکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا۔ لوگ چونکے، ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ کھڑ کھڑ، کے بیچ پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی۔

(مرحوم کی یاد میں)

۴۔ اگلے صفحے پر دو عبارات دی گئی ہیں ۔ ایک ڈراما "دستک" سے اور دوسری "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی" سے۔ دونوں عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں اور اندازِ بیان پر مختصر تبصرہ کر کے اسے اپنی جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔ موازنے اور تبصرے کے لیے درج ذیل نکات پیشِ نظر رکھیں:

الف۔ ڈراما ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جسے مکالموں اور کرداروں کی حرکت و سکنات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ موضوع کو کرداروں کے مکالموں سے واضح کیا جاتا ہے۔

ب۔ موضوع کی مناسبت سے ڈرامے کی فضا بنائی جاتی ہے یعنی ڈراما جاسوسی ہے، تاریخی ہے، رومانوی یا سماجی موضوع کا حامل۔

ج۔ کرداروں کے حسبِ حال مکالمے اور دیگر معاملات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ مکالموں کے ذریعے ڈرامے کی پوری کہانی کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

د۔ طنز و مزاح میں یا ہلکی پھلکی شگفتہ انشائی تحریروں میں مصنف یا مضمون نگار لفظوں یا مضحکہ خیز صورت حال پیدا کرتا ہے۔ بعض اوقات جملوں کے ذریعے بھی طنز یا مزاح کی صورت پیدا کی جاتی ہے۔

ہ۔ طنز میں تحریر کی زیریں سطح پہ اصلاح کا پہلو بھی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے جب کہ مزاح میں کوئی تحریر محض لطف اندوز یا محظوظ ہونے کے لیے لکھی جاتی ہے۔)

(۱)

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا دل بھیا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔ ''دل نے کہا اور کیا تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے تھے۔ ''ہم نے کہا سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اِس وقت اِس لاہور شہر میں ہزاروں کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ ابھئی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں ''ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔

(۲)

بیگم: تیز ہوا کا شور ہے۔

زیدی: تیز ہوا دروازے پر دستک دیا کرتی ہے! تم جا کے دیکھو تو ذرا۔

بیگم: میں کہتی ہوں کوئی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں!

زیدی: ذرا سنو تو۔ صاف۔ بالکل صاف۔ دستک نہیں تو اور کیا ہے؟

بیگم: آپ کا وہم ہے!

زیدی: دیکھو اب زیادہ زور سے ہونے لگی ہے۔ یہ وہم ہے کیا؟
(پھر اُٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیگم ان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں)

بیگم: خدا کے لیے لیٹے رہیے۔ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اپنی حالت کا ذرا خیال کریں۔

زیدی: تم ایک مرتبہ جا کر دیکھ نہیں آتیں۔

بیگم: میں جانتی ہوں دروازے پر کوئی نہیں۔ خیر دیکھ آتی ہوں۔

(یوں سر کو جنبش دیتی ہیں جیسے اس کام کو بے کار سمجھ رہی ہیں۔ دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ زیدی انھیں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ بیگم پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں دو تین لمحوں کے بعد پردے سے باہر آتی ہیں۔)

لکھنا

۵۔ درج ذیل میں ایک خبر اور کالم دیا جا رہا ہے۔ آپ ان کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے ان پر تنقید و تبصرہ کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

14 اگست "آزادی کا دن"

پاکستان ہمارا پیارا ملک ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اسی لیے اس کے اہم دن ہم بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ ان دنوں میں یوم آزادی اہم ترین دن ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے پورے برصغیر پر تقریباً سو سال تک انگریزوں کا قبضہ رہا۔ انگریزوں کے قبضے سے پہلے برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمان مسلسل کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ محنت کا پھل ضرور دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی قربانیاں دینے کے بعد آخر کار 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا۔ اس دن برصغیر کے مسلمان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے اور اپنا ایک الگ ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ملک ہم نے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے حاصل کیا ہے۔

اس کامیابی کی خوشی میں ہم ہر سال 14 اگست کو تمام دن خاص تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کی کوششوں کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے تقریریں کرتے ہیں جنھوں نے عظیم قربانیاں دے کر ہمارے لئے یہ وطن بنایا۔ ان تقریروں میں اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ ہم ان قربانیوں کو ضائع نہ ہونے دیں اور ملک کے چپے چپے کی حفاظت کریں۔ یوم آزادی کی خوشی میں ہر سال عام تعطیل ہوتی ہے البتہ اسکول اور کالج صبح کو کچھ دیر کے لئے کھلتے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کے طالب علم خاص قومی پروگرام بناتے ہیں۔ وطن کی محبت کے نغمے گاتے ہیں۔ تقریریں کرتے ہیں۔

یوم آزادی کے موقع پر سارے ملک کے شہروں اور قصبوں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ لوگ جوق در جوق گھروں سے باہر آ جاتے ہیں۔ سرکاری اور نجی عمارتوں پر قومی پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ کراچی میں لوگ بانی پاکستان قائد اعظم کے مزار پر جاتے ہیں۔ قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

تلخیص نگاری

تلخیص کا مطلب کسی طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ اس طرح لکھنا کہ اس کا کوئی اہم نکتہ چھوٹنے نہ پائے۔ تلخیص کی طوالت، عام طور پر اصل عبارت سے کم یعنی ایک تہائی ہوتی ہے۔ تلخیص میں اصل عبارت کے اسلوب کو قائم رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ اسے اپنے انداز سے اور الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ اصل عبارت میں دی گئی معلومات اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار رکھنی چاہیے۔ تلخیص کے دوران اصل عبارت کے اہم نکات میں ترمیم،

اضافہ، کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اگر عبارت متعدد پیراگرافوں پر مشتمل ہو تو تلخیص ایک ہی پیرے میں لکھی جائے گی۔ تلخیص میں طویل جملوں کی بجائے مختصر جملے لکھے جاتے ہیں۔

۶۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں۔

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت، بھلائی وخوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم ورواج کا ہو یا گورنمنٹ کا اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کرتے، اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔

قواعد/زبان شناسی

لغت اور تھیسارس کا استعمال

اُردو زبان و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو ہمارے لیے غیر مانوس ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف ان کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اس بات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں کہ ان الفاظ کی اصل کیا ہے اور وہ کہاں سے اور کس زبان سے آئے ہیں اور اُردو میں آکر انھوں نے کیا شکل اختیار کی ہے؟ اِسی طرح ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے لغت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تھیسارس لفظوں کا ارتقا بیان کرتا ہے۔ تھیسارس یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے اور اس کا مطلب ہے ذخیرہ یا خزینہ؛ بعد میں یہ لفظ خزینۂ الفاظ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ تھیسارس ہمیں مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرست مہیا کرتا ہے۔ مثلاً: اگر ہم سڑک کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں تو تھیسارس ہمیں اس طرح کے الفاظ مہیا کرے گا: پگ ڈنڈی، راہ، راستہ، شاہراہ، خیابان، ہائی وے، روڈ، ذیلی سڑک وغیرہ وغیرہ

۷۔ درج ذیل الفاظ کے معانی سے واقفیت کے لیے تھیسارس اور لغت کا استعمال کرتے ہوئے معانی لکھیں اور ان الفاظ کے درست تلفظ کے فہم کے لیے ان پر اعراب بھی لگائیں۔

غدر، مغموم، جگمگاتا، صلاح، مراقبہ، مکلف، واگزاشت، لشکر، کم سن چھپر

سرگرمی

کالج لائبریری سے ابن انشا کی کتاب "اردو کی آخری کتاب" اور پطرس بخاری کی "پطرس کے مضامین" جاری کرائیں۔ دونوں کتابوں کے کسی ایک ایک مضمون میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے استحسانی اور تنقیدی جائزہ لیں۔ اس جائزے کو استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں مکمل کر کے جماعت کے دیگر طلبہ کے سامنے پیش کریں۔